اشفاق احمد

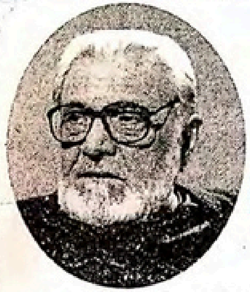

ولادت: ۱۹۲۵ء | وفات: ۲۰۰۴ء

اشفاق احمد اُتر پردیش (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کی۔ قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے وہ ہجرت کر کے لاہور آئے اور مستقل سکونت اختیار کی۔ یہاں اُنھوں نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے اُردو ادب میں ایم۔اے کیا۔ اُن کی اہلیہ بانو قدسیہ اُردو کی مشہور ناول نگار ہے گورنمنٹ کالج لاہور میں اُن کی ہم جماعت تھیں۔ حصولِ تعلیم کے بعد وہ ریڈیو آزاد کشمیر سے منسلک ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ یہ ملازمت چھوڑ کر لاہور آگئے اور دیال سنگھ کالج لاہور میں اُردو پڑھانے لگے۔ تقریباً دو سال بعد وہ روم چلے گئے اور ریڈیو میں اُردو نیوز کاسٹر مقرر ہوئے ساتھ ساتھ روم کی ایک یونیورسٹی میں اُردو بھی پڑھاتے رہے۔ مختلف ممالک میں قیام کے دوران اُنھوں نے اطالوی اور فرانسیسی زبانوں کے ڈپلومے حاصل کیے جب کہ نیویارک سے ریڈیو براڈکاسٹنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔

وطن واپسی پر اُنھوں نے اپنا ذاتی رسالہ "داستان گو" کے نام سے جاری کیا۔ ساتھ ہی وہ ریڈیو کے لیے فیچرز بھی لکھتے رہے۔ اِسی دوران ان کا مشہور ریڈیو پروگرام "تلقین شاہ" نشر ہونا شروع ہوا۔ ہلکے پھلکے انداز میں معاشرتی خامیوں اور تضادات کی نشان دہی کرانے والا یہ پروگرام سامعین میں بے حد مقبول رہا اور تقریباً تیس سال تک نشر ہوتا رہا۔ وہ مرکزی اُردو بورڈ کے ڈائریکٹر بھی رہے (یہ ادارہ آج کل اُردو سائنس بورڈ کہلاتا ہے)۔ اشفاق احمد کچھ عرصے تک وِفاقی وزارتِ تعلیم میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

اشفاق احمد نے زمانہ طالب علمی سے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان کی کہانیاں "ماہنامہ پھول" میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ اُنھوں نے ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی وژن کے لیے سینکڑوں ڈرامے لکھے۔ ان کے اہم موضوعات ادب، فلسفہ، نفسیات اور صوفی ازم رہے ہیں۔ انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی اور انسان دوستی کی ترویج کی وجہ سے وہ سامعین اور قارئین میں بے حد مقبول رہے ہیں۔

تصانیف: زاویہ، ایک محبت سو افسانے، گڈریا، من چلے کا سودا، حیرت کدہ، سفر در سفر، توتا کہانی، ایک محبت سو ڈرامے وغیرہ۔

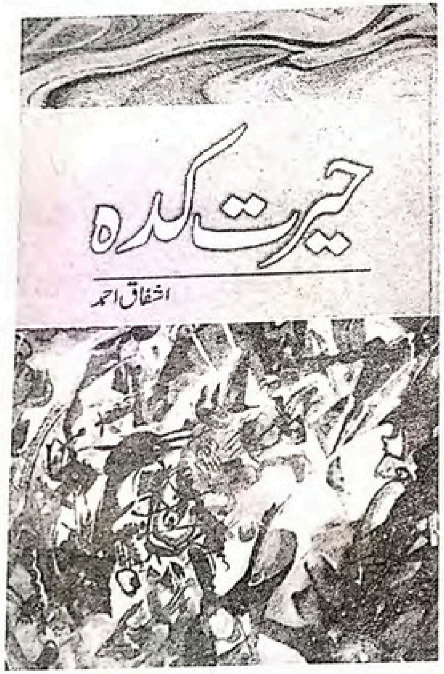

اشفاق احمد

محسن محلّہ

کسی کو ٹھیک سے معلوم نہیں کہ ماسٹر الیاس کب اس محلّہ میں آیا تھا اور کب اس نے یہ کوٹھڑی کرائے پر لی تھی لیکن اس بات کا ہر ایک کو علم تھا کہ ماسٹر الیاس مہاجر ہے اور اس کا تعلق انبالے کے کسی علاقے سے ہے کیونکہ وہ بولی ہی ایسی بولتا ہے جو انبالے میں بولی جاتی ہے۔

ماسٹر الیاس کرائے کی کوٹھڑی میں رہتا ہے اور اس کے پاس محلے کے لڑکے گنتی سیکھنے، پہاڑے کہنے اور تختی لکھنے کے لیے آجاتے تھے۔ اس کے پاس دولڑا کا بٹیر اور ایک اصیل مرغا تھا۔ بٹیر تو پنجروں میں بندرہتے تھے لیکن اصیل مرغا اس کی کوٹھڑی کے دروازے سے ذرا دور کھڑا رہتا تھا۔ ماسٹر الیاس نے مرغے کی ایک ٹانگ میں پیتل کا چھلا ڈال کر اس سے مضبوط ڈور باندھ رکھی تھی اور اس ڈور کا دوسرا سرا اپنی کوٹھڑی کی دہلیز میں میخ ٹھوک کر اس سے باندر کھا تھا۔ محسن محلّہ کے سبھی لوگ ماسٹر الیاس کی عزت کرتے تھے اور اس کو السلام علیکم کہہ کر اس کے دروازے کے آگے سے گزرتے تھے۔ ماسٹر جی کچھ اور کام بھی کرتے تھے لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ شاید وہ سبزی منڈی میں منشی گیری کرتے تھے یا کسی دور کے محلے میں پھیری لگاتے تھے یا کسی کارخانے میں رنگ وروغن کی دہاڑی کرتے تھے۔ کوئی اس کی بابت اچھی طرح سے نہیں جانتا تھا لیکن اتنا سب کو معلوم تھا کہ ماسٹر الیاس کی گزر بسر ذرا تنگی ترشی سے ہی ہوتی ہے۔

دراصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ ان کی گفتگو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے۔ مبالغے سے کام نہیں لیتے تھے۔ شیخی نہیں بگھارتے تھے۔ کسی کو خوفزدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ

سے کسی کو ان کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ ان کی گفتگو میں گرامر کی اور علم بیان کی بہت سے غلطیاں ہوتی تھیں اور سننے والا جھلا کر ان کی صحبت چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے پر اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم وراہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محلے والے ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے السلام علیکم کہہ کر آگے بڑھتے تھے۔

سردیوں کی ایک شام مالکِ مکان نے ماسٹر الیاس کو بڑے سخت الفاظ میں ڈانٹا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے تین دن کے اندر اندر پچھلے چھے ماہ کا کرایہ ایک ساتھ ادا نہ کیا تو وہ اس کا سامان نکال کر باہر پھینک دے گا۔ ماسٹر جی کی خوف کے مارے گھگھی بندھ گئی۔ کیونکہ ان کے پاس ایک سو اسی روپے یکمشت موجود نہیں تھے۔ صرف چالیس روپے تھے۔ جن کے ساتھ دس کا ایک نوٹ اور پرو کر انھوں نے پچاس بنا لیے تھے۔ پہلے تو مالک مکان پچیس تیس، چالیس پچاس لے کر آگے کی تاریخ دے دیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ وہ تڑنگ ہوگیا اور اس نے دھاگے میں پروئے ہوئے پچاس روپے اصیل مرغے کے آگے پھینک کر کہا۔ ’’جا اوئے! میں نہیں لیتا۔ مجھے پورے ایک سو اسی کر کے دے‘‘۔

جب وہ یہ کہہ کر چلا گیا تو ماسٹر الیاس نے پچاس روپے فرش پر سے اٹھا کر اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے پھر وہ اپنی کوٹھڑی کے اندر جا کر چارپائی پر دُکھی سے ہو کر بیٹھ گئے اور شدید غم کے باعث ان کی گھگھی بندھ گئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ روئے بغیر کسی شخص کی گھگھی بندھی ہو!

وعدے کے مطابق مالکِ مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چارپائی ٹرانسفارمر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے اردگرد چن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور سکوٹر پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کا گھر اس محلے سے کافی دور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بماہ آیا کرتا تھا۔

ماسٹر صاحب نے ایک رات جوں توں کر کے ٹرانسفارمر کے نیچے گزاری اور اگلے دن شیخ کریم نواز کی حویلی پہنچ کر اس سے دو سو روپے ادھار کے طلب گار ہوئے۔ شیخ صاحب نے ماسٹر صاحب کو نیک دل، سادہ لوح اور مرنجان مرنج شخص سمجھ کر ٹرخا دیا۔ کیونکہ ایسے احمق لوگوں کو زیادہ رقم دینا اچھا نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسماعیل بزاز کی دُکان پر گئے اور رقم میں کمی کر کے ڈیڑھ سو کا سوال ڈالا۔ اس نے بھی معذرت کر لی۔ محلے کا کوئی نائی، حلوائی، قصائی، ڈاکٹر، وید، وکیل، ماسٹر صاحب نے نہیں چھوڑا لیکن ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان لوگوں کو شدید مہنگائی نے گھیر رکھا تھا اور ان کے پاس ادھار دینے کو کچھ بھی باقی نہ تھا۔

جس دن ماسٹر الیاس نے ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو اپنی نبض دکھائی۔ اس روز انھیں ٹرانسفارمر کے نیچے سوتے آٹھواں دن تھا۔ ڈاکٹر نے سٹیتھوسکوپ لگا کر دیکھا اور کہا ماسٹر صاحب نمونیہ ہے میں آپ کو پڑیا تو دے دیتا ہوں لیکن آپ کسی اور کو بھی دکھالیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ ''بہت اچھا'' اور گرم دودھ پینے جبار حلوائی کی دُکان پر چلے گئے۔ انھوں نے دودھ پی کر اپنی نبض جبار کو دکھائی اور پھر گڑگڑا کر اس سے دو سو روپے قرض کی درخواست کی۔ جبار ہنس پڑا۔ اس کو پتا تھا کہ ایسے الّو کو کوئی ایک روپیا بھی ادھار نہیں دے سکتا۔ یہ پورے دو سو مانگ رہا ہے جب ایسی انہونی بات ہو، تو ہر ایک کو ہنسی آجاتی ہے اور اسی وجہ سے جبار ہنس پڑا تھا ورنہ عام زندگی میں وہ بہت ہی کم ہنستا تھا۔

مسلسل تین دن تک ماسٹر الیاس اپنی رضائی سر پر اگلو کی طرح اوڑھ کر چارپائی پر بیٹھے رہے جو کوئی وہاں سے گزرتا ''السلام علیکم'' کہہ کر یہ ضرور پوچھتا۔ ''کیوں جی ماسٹر جی، دھوپ سینکی جا رہی ہے'' اور ماسٹر جی اندر سے بند آواز میں جواب دیتے۔ ''ہاں جی تھوڑی سردی لگ رہی تھی''۔

چوتھے روز فجر کی اذان کے وقت جب ماسٹر صاحب فوت ہو گئے تو محسن محلّہ کے ایک ایک شخص کو ان کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ ناشتہ کا وقت ختم ہونے تک ہر شخص خاموشی اور دکھ کے کوئے میں لپٹ کر دھوپ میں جا کھڑا ہوا۔ ماسٹر جی کے بٹیروں کو کٹورہ بھر کنگنی اور ان کے مرغے کو آٹے کی آب خورہ بھر گولیاں ڈال دی گئیں۔ شیخ کریم نواز صاحب اپنی حویلی سے نکل کر ٹرانسفارمر کے نیچے آبیٹھے۔ یہاں لوگوں نے بڑی سی

دری بچھادی اور دو تین تازہ اخبار لا کر رکھ دیے۔ لوگ جمع ہونے شروع ہوئے۔ شیخ کریم نواز نے دو سو روپے نکال کر سعید اور بلال کو سکوٹر پر بھیجا کہ جا کر قبر کا بندوبست کریں۔ تین سو روپے بابو جلال کو دیے کہ رحمت کو ساتھ لے جا کر لٹھے، کافور، عرق گلاب اور پھولوں کا بندوبست کریں۔ جبار حلوائی نے دودھ پتی کا ایک پتیلا کاڑھ کر صف پر پہنچا دیا۔ لوگوں نے ماسٹر صاحب کی رسم قل کے لیے پیسے جمع کرنے شروع کیے اور دیکھتے دیکھتے محسن محلّہ کے لوگوں نے آٹھ سو گیارہ روپے جمع کر کے شیخ کریم نواز صاحب کے پاس محفوظ کرا دیے۔

مشق

۱۔ سوالات کے جوابات لکھیں۔

(ا) محسن محلّہ کے لوگ ماسٹر صاحب کے بارے میں کیا جانتے تھے؟
(ب) ماسٹر صاحب کس طرح کے آدمی تھے؟
(ج) لوگ ماسٹر صاحب سے دوستی کرنا کیوں پسند نہیں کرتے تھے؟
(د) مالک مکان نے ماسٹر صاحب سے کیا سلوک کیا؟
(ہ) ماسٹر صاحب کے مرنے کے بعد لوگوں نے کیا طرزِ عمل اپنایا؟
(و) ماسٹر صاحب کا کیا انجام ہوا؟
(ز) اس افسانے کا مرکزی خیال لکھیں۔

۲۔ خالی جگہ پُر کریں:

(ا) ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔

(ب) خوف کے مارے اس کی گھگی بندھ گئی۔

(ج) وہ سردی کے موسم میں باہر بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔

(د) شیخی بگھارنا اچھی بات نہیں۔

(و) مالک مکان نے کرایہ دار کو سخت الفاظ میں ڈانٹا۔

۳۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل عبارتوں کی تشریح کریں:

(ا) وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے پر اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم وراہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔

(ب) مسلسل تین دن تک ماسٹر الیاس اپنی رضائی سر پر اگلو کی طرح اوڑھ کر چارپائی پر بیٹھے رہے جو کوئی وہاں سے گزرتا ''السلام علیکم'' کہہ کر یہ ضرور پوچھتا۔ ''کیوں جی ماسٹر جی دھوپ سینکی جارہی ہے'' اور ماسٹر جی اندر سے بند آواز میں جواب دیتے۔ ''ہاں جی تھوڑی سردی لگ رہی تھی''۔

۴۔ روزمرہ کے مطابق خالی جگہ پُر کریں:

(الف) وہ غصے سے دانت پیتا ہوا آگے بڑھا۔

(ب) جب اُس نے پاکستان کی جیت کی خبر سنی تو خوشی سے پاگل ہوگیا۔

(ج) تمھارے منہ میں خاک، کیسی منحوس باتیں کر رہے ہو۔

(د) تم تو ہاتھ جھاڑ کر میرے بچے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔

(ہ) میں یہ خوفناک منظر نہ دیکھ سکا اور ڈر کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

۵۔ جملے درست کریں:

(الف) ہمارا وطن دن بدلن ترقی کر رہا ہے۔

(ب) وہ حیرانگی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

(ج) میرا بڑا دل کرتا ہے کہ حج پر جاؤں۔

(د) میں آپ سے ایک ضروری بات کہنے آیا ہوں۔

(ہ) اس کی چیخ و پکار سن کر لوگ مدد کے لیے دوڑے۔ دوڑ پڑے

۶۔ درج ذیل جملوں میں مناسب مقامات پر رموزِ اوقاف لگائیں:

(الف) اسے جب دیکھو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے

(ب) اس مضمون کے اہم نکات یہ ہیں :—

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''سب انسان برابر ہیں''

(د) لڑکے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

(ہ) ''دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا'' احمد فراز کا یہ مصرع حقیقت پر مبنی ہے۔

۷۔ اُردو میں درج ذیل افعال بطور معاون افعال استعمال کیے جاتے ہیں۔ آپ ان کی مدد سے دو دو جملے بنائیں۔ جن میں یہ بطور امدادی یا معاون فعل استعمال ہوں۔

دینا۔ لینا۔ آنا۔ ڈالنا۔ جانا۔ پڑنا ۔ اُٹھنا۔

(1) بچوں کو یہاں سے نکال دینا پڑے گا
(2) بچے کے کافی بڑا انعام لینا خوشی کی بات ہے۔
(3) لیلاں پر میری جان ہر بیماری آتا ہے۔
(4) تم نے تو حاجی ڈال دیا تھا۔
(5) ہم نے دو دشمنوں کو دوستی پڑا دیا۔
(6) بچوں کو زمین پر گر آنا خون کی علامت ہے۔